مرید کی مدد

تھانوی صاحب نے حاجی صاحب کا یہ ملفوظ بھی نقل کیا ہے

خدا جانے لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں اور میں کیا ہوں محبوب علی نقاش نے آکر یہاں کیا کہ ہمارا اگبوٹ تباہی میں تھا میں مراقب ہو کر آپ (حاجی صاحب) سے ملتجی ہوا آپ نے مجھے تسکین دی اور اگبوٹ کو تباہی سے نکال دیا (۱)

اپنے اپنے بزرگوں کو پکارتے رہے

آج تو جہالت اور مطالعہ کی کمی لے ڈوبی ہے ورنہ اگر اپنے اپنے اکابر کی سوانح کا مطالعہ ہی کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ سارے ہی اپنے اپنے بزرگوں کے نام لے کر انہیں مدد کے لیے پکارتے رہے ہیں، چند کا عمل ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ نواب وحید الزماں حیدر آبادی (ت ۱۳۳۸) نے نواب صدیق حسن بھوپالی کے حوالہ سے لکھا

قَالَ السَّیِّدُ فِیْ بَعْضِ تَوَالِیْفِہٖ قِبْلَہ دِیْن مَدَدِیْ کَعْبَہِ اِیْمَان مَدَدِیْ اِبْنُ قَیِّمِ مَدَدِیْ قَاضِیْ شَوْکَان مَدَدِیْ (۲)

(سید صدیق حسن خاں نے اپنی بعض کتب میں یوں مدد مانگی ہے دین کے قبلہ مدد کرو، ایمان کے کعبہ مدد کرو ابن قیم مدد کرو قاضی شوکانی مدد کرو)

یہی عبارت مولوی حسین علی (ت) نے نقل کر کے لکھا

چنانچہ در ھندی گویند شالا مدد ہووے پیر جیلانی (۳)

جیسے پنجابی زبان میں لوگ کہتے ہیں شالا مدد ہووے پیر جیلانی

۲۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی (ت: ۱۳۳۹) اپنے بزرگ رشید احمد گنگوھی کی وفات کے بعد ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا اعلان اِن الفاظ میں کرتے ہیں

(۱) امداد المشتاق، ۱۳۰

(۲) ہدیۃ المہدی، ۲۳

(۳) بلغۃ الحیران ۳۶۴

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی بارگاہ میں یوں فریاد و التجا کرتے ہیں

یَا مُرْشِدِیْ یَا مُوْلَائِیْ یَا مُفْزِعِیْ
یَا مَلْجَائِیْ فِیْ مَبْدَئِیْ وَ مَعَادِیْ
یَا سَیِّدِیْ لِلّٰہِ شَیْئًا لِلّٰہِ اَنَّہٗ
اَنْتُمْ لِیَ الْمَجْدُ اَنِّیْ جَارِیٌ

(اے میرے مرشد، میری پناہ گاہ، پریشانیوں میں میرے سہارا، دنیا آخرت میں میری پناہ گاہ اے میرے آقا خدا کے لیے کچھ عطا کر دو آپ سخی ہو اور میں منگتا و سائل ہوں) (۱)

(۱) کرامات امدادیہ، ۳

فصل:

روایت پر اعتراضات کا جواب

اس حدیث کے بارے میں محدث کبیر شیخ محمود ممدوح نے اپنی کتاب رفع المنار میں جو گفتگو کی ہے جس کا ترجمہ مولانا محمد اکرام اللہ زاہد نے کیا ہم اسے نقل کیے دیتے ہیں۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ اَحَدِ كُمْ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَاللهِ اِحْبِسُوْا عَلَيَّ فَاِنَّ لِلّٰهِ فِي الْاَرْضِ حَاصِرًا سَيَحْبِسُهٗ عَلَيْكُمْ

(جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں گم ہو جائے تو وہ یوں پکارے یَاعِبَادَاللهِ اِحْبِسُوْا عَلَيَّ (اے اللہ کے بندو! مجھے وہ لوٹا دو) تو یقینا زمین میں اللہ کا بندہ موجود ہوتا ہے جو جلد ہی تمہیں لوٹا دے گا۔)

بیان سند

طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۰، ۲۶۷) میں کہا

ہم سے ابراھیم بن نائلۃ الاصبھانی ہم سے حسن بن عمر بن شقیق نے ہم سے معروف بن حسان السمر قندی نے، سعید بن ابی عروبۃ سے، قتادۃ سے عبداللہ بن بریدۃ سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ اَحَدِ كُمْ - - - الخ"

اس کو ابویعلیٰ نے المسند: ۹، ۱۷۷ میں، اور ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلۃ، ۱۶۲) میں اسی طریق سے روایت کیا اور ہیثمی نے (مجمع الزوائد، ۱۰، ۱۳۲) میں اس

ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے"

اس کے ساتھ حدیث کے کئی اور طرق ہیں جو حدیث کو تقویت دیتے ہیں اور اس کو ضعف سے ایسے درجہ حسن کی طرف منتقل کرتے ہیں جو مقبول اور معمول بہ ہے۔

۱۔ طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۷، ۱۱۷) میں ابن عبدالرحمٰن بن شریک کے طریق سے نقل کرتے ہوئے کہا:

حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عِيْسٰى عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَضَلَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا اَوْاَرَادَ اَحَدُكُمْ عَوْنًا، وَهُوَ بِاَرْضٍ لَيْسَ بِهَا اَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ اَعِيْنُوْنِيْ اَغِيْثُوْنِيْ، فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَاتَرَاهُمْ وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ

(مجھ سے میرے باپ نے عبداللہ بن عیسیٰ سے ان سے زید بن علی نے ان سے عتبہ بن غزوان نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کوئی چیز گم کر بیٹھے یا مدد لینے کا ارادہ کرے جب کہ وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کا کوئی غم خوار نہیں تو یوں کہے "يَاعِبَادَاللهِ اَعِيْنُوْنِيْ اَغِيْثُوْنِيْ" اے اللہ کے بندوں مدد کرو اور میری فریاد سنو یقینا اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور یہ عمل مجرب ہے)

میں کہتا ہوں اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے، حافظ ہیثمی نے (۱) کہا، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال کی توثیق کی مگر بعض میں ضعف ہے اس کے علاوہ زید بن علی نے عتبہ کو بھی نہیں پایا

حافظ ابن حجر نے اس کے اعلال میں فقط انقطاع پر اکتفاء کیا اور تخریج الاذکار میں کہا، اس کو طبرانی نے منقطع سند کے ساتھ عتبہ بن غزوان سے مرفوع نقل کیا

۲۔ ابن ابی شیبۃ نے (مصنف ۱۰، ۴۲۴: ۴۲۵) میں نقل کیا ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن اسحاق نے ابان بن صالح سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيْرُهُ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ لَايَرٰى بِهَا أَحَدًا فَلْيَقُلْ أَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللهِ فَإِنَّهُ سَيُعَانُ

(جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ ایسے جنگل میں بھاگ گیا کہ وہ وہاں کسی کو نہیں دیکھتا تو یوں کہے اے اللہ کے بندوں! میری مدد کرو تو یقینا جلد ہی اس کی مدد کی جائے گی)

میں کہتا ہوں، یہ مرسل ہے اگر محمد ابن اسحاق کا عنعنہ (عن سے روایت کرنا) نہ ہوتا تو حدیث حسن الاسناد ہوتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

البانی نے مذکورہ حدیث کو (الضعیفۃ ۲، ۱۰۹) اعضال سے معلل کیا یعنی اس کو معضل کہا حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ ابان بن صالح چھوٹی عمر کے تابعین میں سے ہیں واللہ اعلم الصواب

۳۔ البزار نے اپنی مسند میں نقل کیا (کشف الاستار، ۴، ۳۳، ۳۴)

حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ "إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُوْنَ مَا يَسْقُطُ مِنْ وَّرَقِ الشَّجَرِ فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ أَعِيْنُوْنِيْ عِبَادَ اللهِ

(بے شک زمین میں حفظۃ فرشتوں کے علاوہ بھی اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی لکھ لیتے ہیں تو جب تم میں سے کسی کو جنگل میں کوئی مصیبت آن گھیرے تو یوں پکارے "أَعِيْنُوْنِيْ عِبَادَ اللهِ" (اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو)

حافظ ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ۱۰: ۱۳۲) میں کہا اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے تخریج الاذکار (شرح ابن علان ۵، ۱۵۱) میں "حَسَنُ الْإِسْنَادِ غَرِيْبٌ جِدًّا" کہا، حافظ کا اس کی تحسین پر اکتفا کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسامۃ ابن زید لیثی اس سند میں موجود ہیں جس میں اختلاف ہے اور امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں بن عباس سے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن وہ موقوف ہے جو کہ جعفر بن عون کے طریق سے ہے کہ ہم سے اسامۃ بن زید نے ابان بن صالح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے اس کو بیان کیا ہے۔

البانی کی غلطی اور اس کا محاسبہ

البانی نے (الضعیفۃ ۲، ۱۱۲) میں ابن عباس کے مرفوع طریق کو اس موقوف کے سبب معلل کیا اور کہا: جعفر بن عون، حاتم بن اسماعیل سے زیادہ ثقہ ہے اور مخالفت کے سبب حدیث میرے نزدیک معلول ہے اور راجح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ قاعدہ غلط ہے جس کی وضاحت دو امور میں کی جاتی ہے۔

دو امور کا تذکرہ

۱۔ علم حدیث میں یہ اصول مقرر ہے کہ جب مرفوع اور موقوف میں تعارض ہو تو حکم مرفوع کے لیے ہوتا ہے۔ امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم، ۱۔ ۳۲ میں کہا جب موقوف اور بعض مرفوع، یا وہ اسے کبھی موصول مرفوع اور کبھی مرسل یا موقوف روایت کریں تو صحیح وہی ہے جو محققین محدثین نے فقہاء اور اصحاب اصول نے کہا اور خطیب بغدادی نے بھی اس قاعدہ کو صحیح جانا۔

إِنَّ الْحُكْمَ لِمَنْ وَّصَلَهُ أَوْ رَفَعَهُ سَوَاءٌ كَانَ الْمُخَالِفُ لَهُ مِثْلَهُ أَوْ أَكْثَرَ وَ أَحْفَظَ لِأَنَّهُ زِيَادَةُ ثِقَةٍ وَ هِيَ مَقْبُوْلَةٌ

(حکم اسی کے لیے ہے جس میں اس کو موصول یا مرفوع روایت کیا ہے

چاہے اس کا مخالف اس کی مثل یا اکثر اور احفظ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ثقہ کا اضافہ ہے جو مقبول ہے)

اور ابن عبدالہادی نے التنقیح (۱، ۳۵۰) طبع مصر" میں اسی کی تصریح کی ہے۔

۲۔ حاتم بن اسماعیل حدیث کو مرفوع روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ محمد بن اسحاق اس کے موافق ہے۔ جس کی مرفوع روایت کی ہوئی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث پر بطور شاہد گزر چکی ہے۔

اس مقام پر یوں کہنا ہی مناسب ہوگا کہ ابان بن صالح کبھی حدیث کو مرفوع روایت کرتے ہیں اور کبھی رفع کا ذکر نہیں کرتے۔ اس طرح کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

البانی کا مرفوع طریق کو موقوف کے سبب معلل قرار دینا ایک رائیگاں کوشش ہے اور کوئی ایسی علت قابل سماعت نہیں جس سے وہ رفع حدیث اور اس کے حکم سے بری ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ قواعد حدیث کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو جائے

(فَاللّٰھُمَّ غُفْرَانَكَ)

حاصل کلام

مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ حدیث جید مقبول ہے اور خصوصاً تیسری حدیث جو بطور شاہد پیش کی گئی ہے "وہ بہر صورت حسن الاسناد لذاتہ" ہے

(واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

جب حدیث سند ضعیف سے وارد ہو تو وہ اس وقت مقبول ہو جاتی ہے جب اُمت اسے قبول کر لے اور وہ صحیح اور حسن سے عام ہوتی ہے اور جب اس پر بعض اُمت کا عمل بھی ہو تو ان کے عمل سے حدیث کو تقویت ملتی ہے (جیسا کہ ہماری پیش کردہ مذکورہ حدیث) حافظ بیہقی نے (السنن الکبریٰ ۳، ۵۲) میں صلوٰۃ التسبیح والی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا: کہ "عبداللہ بن مبارک اس کو پڑھا کرتے تھے اور صالحین ایک دوسرے

اس کو سیکھا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے حدیث مرفوع کی تقویت ہوئی۔"

اور بیہقی کے شیخ امام حاکم نے بھی (المستدرک ۱، ۳۲۰) میں اسی طرح کہا اور بعض پر آئمہ اُمت نے عمل بھی کیا ہے اور اپنا اپنا تجربہ بھی ذکر کیا مثلاً

"المسائل"، "شعب الایمان" از حافظ بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن امام احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد محترم کو فرماتے ہوئے سنا

حَجَجْتُ خَمْسَ حِجَجٍ مِنْهَا ثِنْتَيْنِ رَاكِبًا، وَ ثَلَاثَةً مَاشِيًا اَوْ ثِنْتَيْنِ مَاشِيًا وَ ثَلَاثَةً رَاكِبًا فَضَلَلْتُ الطَّرِيْقَ فِيْ حَجَّةٍ وَ كُنْتُ مَاشِيًا وَ جَعَلْتُ اَقُوْلُ يَاعِبَادَ اللّٰهِ دُلُّوْنَا عَلَى الطَّرِيْقِ، فَلَمْ اَزَلْ اَقُوْلُ ذَالِكَ حَتّٰى وَ قَعْتُ عَلَى الطَّرِيْقِ اَوْ كَمَا قَالَ اَبِيْ

(میں نے پانچ حج کیے جن میں سے دو سواری پر اور تین پیادہ، یا دو پیادہ اور تین سواری پر، ایک پیادہ حج پر راستہ بھول گیا، تو میں یوں پکارنے لگا! اے اللہ کے بندو! ہمیں راستہ بتاؤ، تو میں یہی کہتا رہا یہاں تک کہ مجھے راستہ مل گیا)

امام ابوقاسم طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۷، ۱۱۷) میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا "وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ" (یہ مجرب ہے)

امام نووی نے (الاذکار، ص ۳۳۱) میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا کہ مجھ سے ایک بڑے علامہ شیخ نے بیان کیا کہ اس کا خچر گم ہو گیا اور وہ اس حدیث کو جانتے تھے تو انہوں نے وہی (حدیث والے الفاظ) کہے تو اللہ نے اسی وقت ان کو ملا دیا اور میں ایک مرتبہ جماعت کے ہمراہ تھا تو ایک چار پایہ گم ہو گیا اور لوگ اس کی تلاش سے عاجز آ گئے تو میں نے وہی (حدیث والے الفاظ) پڑھے تو چار پایہ مل گیا۔ حالانکہ ان الفاظ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا تھا"

حاصل کلام یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے کے لیے اس حدیث کی تقویت میں دو

۱۔ اس کی تقویت شواہد سے ہو تو بلاشبہ یہ حدیث حسن ہوگی

۲۔ اُمت کے عمل سے اس کی تقویت ہو

اور دونوں صورتیں ایک دوسرے سے قوی ہیں (واللہ اعلم بالصواب)(۱)

شیخ سرفراز صفدر نے اس روایت کے جواب میں گلدستہ توحید میں جو اعتراضات اٹھائے ہیں وہ یہ ہیں

جواب اول

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے ابن عدی کہتے ہیں منکر الحدیث اور ابوحاتم کہتے ہیں مجہول ہے دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان تک پہنچتی ہے جو کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس سند میں حسب تصریح علامہ ہیثمی علی ضعف فی بعضهم بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے لہٰذا یہ روایت حضرات محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے۔ جو ضعیف ہوتی ہے۔

جواب دوم

اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے پاکر بندے حاضر ہوتے ہیں (تا) تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہوتے ہیں ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

ہم ان کا جواب علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کی زبانی دے رہے ہیں فرماتے ہیں۔

جب یہ روایت تین صحابیوں سے اور متعدد سندوں سے مروی ہے اور ان میں

(۱) احادیث وسیلہ پر اعتراضات کا علمی محاکمہ، ۲۱۴ تا ۲۲۲

بعض اسنادات کے رجال ثقہ ہیں تو نفس مضمون کی توثیق کے بعد چوں و چرا کی گنجائش ختم ہو گئی اور کسی حدیث کے متن کے لحاظ سے صحت وقوت اس کی تمام تر اسنادات اور تمام تر راویوں کی توثیق پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ تعدد طرق سے اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے اگرچہ یہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ جب بعض صحیح اور قابل وثوق ہوں اور اکابرین اس حدیث کے حسن ہونے کی تصریح بھی کریں۔

دیانتی کا مظاہرہ

علامہ سرفراز صاحب نے علامہ ہیثمی کی عبارت میں قطع و برید کر کے علمی خیانت کا بدترین مظاہرہ کیا ہے، انہوں نے کہا

رِجَالُهٗ وُثِّقُوْا عَلٰى ضُعْفٍ فِيْ بَعْضِهِمْ

(اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے البتہ بعض میں ضعف ہے)

مگر علامہ صاحب نے اپنے مطلب کے مخالف الفاظ پر قینچی چلا دی، یعنی رِجَالُهٗ وُثِّقُوْا کو کاٹ دیا اور علی ضعف کا ترجمہ راوی ضعیف اور کمزور کر دیا۔ اگر یہ ترجمہ صحیح ہے تو توثیق رجال کا مطلب کیا ہوا۔

معلوم ہوا کہ راویوں کا وہ ضعف اس روایت میں ضعف کا موجب نہیں تھا اور نہ ان کو ناقابل اعتماد بناتا تھا اس لیے توثیق کر دی اور جب رجال کی توثیق ثابت ہو گئی تو انقطاع مضر نہیں رہے گا اور اگر یہ روایت موقوف صحابی ہوتی تو بھی حجت ہوتی چہ جائیکہ اس کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں

فَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ مَوْقُوْفَ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ عِنْدَنَا وَ كَذَا الْحَدِيْثُ الْمُنْقَطِعُ اِذَا صَحَّ سَنَدُهٗ (۱)

(یہ بات معلوم و یقینی ہے کہ صحابہ کی موقوف روایت اور حدیث بھی ہمارے نزدیک حجت ہے اور ایسے ہی منقطع حدیث بھی جب کہ اس کی سند صحیح ہو)

(۱) موضوعات، ۳۹

نیز راویوں کے متعلق سب ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق تو تقریباً ناممکن سا امر ہے شاید ہی
ہی خوش نصیب ایسے راوی ہوں کہ ان کو سبھی ائمہ موثوق اور قابل اعتماد قرار دیں ورنہ کوئی
دجال کہتا ہے تو دوسرا اس کی توثیق کر دیتا ہے اور کسی کو ایک صاحب ضعیف اور نا قابل
اعتبار ٹھہراتے ہیں تو دوسرا اس کو قوی اور معتمد علیہ قرار دیتے ہیں لہٰذا کسی بھی راوی کو ایک
دو شخصیات کے قول سے مجروح قرار دے کر اس کی روایت کو نا قابل استدلال قرار دے
ڈالنا بھی کوئی اچھی سوچ کا مظاہرہ نہیں ہے اور آج کل کے محققین نے کچھ ایسے ہی نئے
لطائف بنا ڈالے ہیں ایک روایت اپنے مسلک کے خلاف ہوئی تو اس میں کیڑے نکالنے
کے لیے جن حضرات نے کسی راوی کی تضعیف کی اس کا قول نقل کر کے اس روایت کو
نا قابل اعتبار بنا ڈالا اور جب کوئی روایت اپنے مدعا کے موافق ہوئی تو اسی راوی کے
متعلق جن حضرات نے توثیق کی ہوتی ہے وہاں ان کے اقوال نقل کر کے اس روایت اور
حدیث کو صحیح اور قوی السند اور حجت ثابت کر دیا جاتا ہے اور خود علامہ سرفراز نے اسی
کرتب کا مظاہرہ کئی جگہ کیا ہے کبھی غیر مقلدین کی پیش کردہ روایات میں اور کبھی اپنے
حسینی المشرب پیر بھائیوں یعنی نیلوی اور عنایتی گروپ کے پیش کردہ روایات میں جیسے کہ
ان کی کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی
قول یا محمد ﷺ کی تضعیف کے لیے کہا کہ اس کی تیسری سند میں زہیر عن ابی اسحٰق ہے اور
محدثین نے تصریح کی ہے کہ زہیر کی ابواسحاق سے جو روایت بھی ہو ضعیف ہوگی۔(۱)

لیکن اسی زہیر کی ابواسحاق سے روایت کو ازالۃ الریب ص ۱۷۲ پر ذہبی اور
حاکم کے حوالے سے صحیح قرار دے دیا

لہٰذا بہتر صورت یہی ہے کہ علماء اعلام اور محدثین عظام یا مجتہدین کرام اور سلف
صالحین کے کسی روایت پر اعتماد اور اس سے استدلال و استناد کے بعد یا معنوی طور پر
کتاب وسنت سے تائید وتصدیق کے بعد یا تعدد طرق کے ثبوت کے بعد ایسی جرح اور
قدح سے گریز کیا جائے یا کم از کم کچھ حضرات اپنے اسلاف کی تحقیق سے مطمئن ہیں اور
ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان روایات کے مطابق عقیدہ وعمل اپنا لیں تو انہیں مغرور سمجھنا

(۱) گلدستہ توحید، ۱۴۱

اور ان کو اپنے تکفیری فتوؤں کا نشانہ بنانا چاہیے۔

علامہ سرفراز کا جواب

طائرانہ نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جنگل اور ویرانوں میں خدائے تعالیٰ کے کچھ
حاضر ہوتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ
ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیش ہو تو یہ کہا
اللہ کے بندو مدد کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملائکہ سے مدد طلب کرنا درست ہے اور
تعالیٰ نے ان کو اسی کام پر مامور کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ (فالمدبرات
) کے تحت متعدد اکابرین کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ کاملین اولیاء کرام بھی
ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنان قضا وقدر بن جاتے ہیں لہٰذا ملائکہ اور ان میں استمداد و
استعانت کے جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا قطعاً درست نہیں ہے جبکہ ملائکہ غیر اللہ
ہوتے ہیں جیسے کہ اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام، اور اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر اور
علی کل شئ قدیر لیکن پھر بھی ملائکہ مدبرین سے استمداد جائز ہے تو ان مقبولان بارگاہ سے بھی
استمداد جائز اور درست ہوگئی۔ وہ کون سا دین و مذہب ہے جس میں رسل وانبیاء علیہم السلام
اور اولیاء علیہم الرضوان تو غیر اللہ ہیں مگر ملائکہ غیر اللہ نہیں؟

رہا فوق الاسباب کے تحت الاسباب کا فرق تو اس کی لغویت قبل ازیں واضح کی جا
چکی ہے جب ظاہری اسباب کے تحت وہ لوگ اپنے جانور کو قابو کرنے میں ناکام رہیں تو
ظاہری اسباب کے بغیر اس کو روک دیا جانا فوق الاسباب العاویہ امداد ہی ہے۔ نیز جنگل اور
ویرانہ کے لیے پتہ نہیں علامہ صاحب نے کیا حد بندی کر رکھی ہے کہ اس کے ہر گوشہ اور ہر
حصہ پر اس حادثہ سے دوچار ہونے والے ان رجال غیب کے قریب ہی ہوں گے اور بُعد
مسافت کا شائبہ بھی وہاں پر نہیں ہو سکے گا ہر جگہ سے ندا و پکار سمجھی جائے گی۔ یہ سراسر ضد اور
ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے اور قبل ازیں متعدد بار اور متعدد
حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نورانی اور روحانی شخصیات کے لیے دوری اور نزدیکی
اور قرب و بُعد کا امتیاز مٹ جاتا ہے علامہ ابن حجر ہیثمی مکی فتاویٰ حدیثیہ میں نبی مکرم ﷺ
کی بیداری میں زیارت کے جواز اور درستگی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثُمَّ رَأَيْتُ ابْنَ الْعَرَبِيِّ صَرَّحَ بِمَا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّهُ لَا يَمْتَنِعُ رُؤْيَةُ ذَاتِ النَّبِيِّ ﷺ بِرُوحِهِ وَ جَسَدِهِ لِأَنَّهُ وَ سَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءٌ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ أَرْوَاحُهُمْ بَعْدَ مَاقُبِضُوا وَ أُذِنَ لَهُمْ فِي الْخُرُوجِ مِنْ قُبُورِهِمْ وَ التَّصَرُّفِ فِي الْمَلَكُوتِ الْعُلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ وَلَا مَانِعَ مِنْ أَنْ يَّرَاهُ كَثِيرُونَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ لِأَنَّهُ كَالشَّمْسِ وَ إِذَا كَانَ الْقُطْبُ يَمْلَأُ الْكَوْنَ كَمَا قَالَ التَّاجُ ابْنُ عَطَاءِ اللهِ فَمَا بَالُكَ بِالنَّبِيِّ ﷺ (۱)

(پھر میں نے ابن العربی کو دیکھا کہ انہوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس کا دیدار روح اور جسم سمیت ممتنع نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں ان کی روحیں قبض کرنے کے بعد پھر ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور انہیں قبروں سے باہر آنے اور عالم بالا اور عالم اسفل میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کریں کیونکہ آپ ﷺ سورج کی مانند ہیں اور جب قطب پورے جہاں کو بھر سکتا ہے جیسے کے تاج ابن عطاء اللہ نے فرمایا ہے تو نبی اکرم ﷺ کا کیا مرتبہ و مقام ہوگا یعنی یقینا آپ ﷺ کا مقام انتہائی ارفع و اعلیٰ ہوگا)

الغرض تمام جہاں کی مسافتیں محبوبان خداوند تعالیٰ کے سامنے سمٹ سکڑ جاتی ہیں اور کوئی دوسری مسافت ان کو دیکھنے، سننے اور دستِ تعاون دراز کرنے میں مانع نہیں ہو سکتیں اور وہ ملائکہ کے احکام کے ہی حامل ہوتے ہیں اور انہیں جیسے نورانی وجود اور نورانی قوائے لطیفہ کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا یہ فرق کرنا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے نیز

(۱) فتاویٰ حدیثیہ، ۲۵۶

کہ جنسی ہم جنس کو اپنے ہم جنس سے محبت ہو سکتی ہے اتنی دوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ تو اولیاء کرام کا ملاء اعلیٰ میں شامل ہونا بھی ثابت ہے اور ان میں زیادہ ہمدردی اور خیر خواہی بھی موجود ہے تو ان کی امداد و اعانت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ (۱)

(۱) گلشنِ توحید و رسالت، ۲:۴۷۹، ۴۸۶

لَبَّیْكَ - نُصِرْتَ

میں تمہاری مدد کے لیے پہنچتا ہوں

رسول اللہ ﷺ کا مدد کرنا

احادیث وسیرت میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ ایک صحابی مکۃ المکرمہ سے رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ ومدد چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے شہر مدینہ میں ان کی آواز سنی اور فریاد رسی فرمائی۔

ہوا یوں کہ قبیلہ بنو بکر اور قبیلہ بنو خزاعہ کی آپس میں پرانی لڑائی تھی، جب قریش مکہ نے مسلمانوں سے مقام حدیبیہ پر دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ کیا تو اس معاہدہ میں بنو بکر نے قریش کا ساتھ اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں کا ساتھ دیا یعنی بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے ابھی معاہدے کو دو سال ہی گزرے تھے کہ بنو بکر نے پرانی دشمنی کی وجہ سے قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کا سوچا اور قریش نے انہیں در پردہ ہر ممکن امداد کا یقین دلایا بنو خزاعہ کو ان دونوں کی اس سازش کا وہم وخیال بھی نہ تھا اچانک رات کو بنو بکر نے پوری تیاری کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور اس میں قریش بھی بھیس بدل کر شریک ہوئے بہت سارے لوگ قتل ہوئے حتی کہ کچھ نے حرم کعبہ میں پناہ لی مگر انہوں نے حرم میں بھی ان کو قتل کر دیا چونکہ یہ قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس لیے اس قبیلہ کے چالیس آدمی رسول اللہ ﷺ کو اپنی کہانی سنانے اور امداد کے لیے شہر مدینہ روانہ ہوئے ان کے سربراہ حضرت عمرو بن سالم تھے جو نامور شاعر بھی تھے اس لیے لوگ انہیں راجز کے نام سے یاد کرتے، اگلی کہانی اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے سنیے۔

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَاتَ عِنْدَهَا لَيْلَتَهَا، فَقَامَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ فِي مُتَوَضَّئِهِ: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ - ثَلَاثًا - نُصِرْتَ نُصِرْتَ - ثَلَاثًا - فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ فِي مُتَوَضَّئِكَ: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ - ثَلَاثًا - نُصِرْتَ، نُصِرْتَ - ثَلَاثًا - كَأَنَّكَ تُكَلِّمُ إِنْسَانًا - وَهَلْ كَانَ مَعَكَ أَحَدٌ؟ فَقَالَ هٰذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي، وَيَزْعَمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تُجَهِّزَهُ - وَلَا تَعْلَمُ أَحَدًا قَالَتْ: فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ مَا هٰذَا الْجِهَازُ؟ فَقَالَتْ: وَاللهِ مَا أَدْرِي - فَقَالَ: وَاللهِ مَا هٰذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ فَأَيْنَ يُرِيْدُ رَسُوْلُ اللهِ قَالَتْ وَاللهِ لَا عِلْمَ لِي - قَالَتْ: فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ فَسَمِعْتُ الرَّاجِزَ يَنْشُدُهُ: (۱)

(رسول اللہ ﷺ کا رات میرے ہاں قیام تھا۔ آپ ﷺ اٹھے نماز کے لیے وضو کیا میں نے وضو خانہ میں فرماتے ہوئے سنا میں پہنچا، میں پہنچا، میں پہنچا، تمہاری مدد کے لیے، تمہاری مدد کے لیے، تمہاری مدد کے لیے جب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا تین تین دفعہ یہ کلمات فرماتے ہوئے سنا۔ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی گویا آپ کسی آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے کیا آپ کے ساتھ کوئی تھا؟ فرمایا یہ بنو کعب کا راجز ہے جس نے پکارا اور کہہ رہا ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) کہ پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے (اور وضو کے بعد) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تیاری کا

(۱) المعجم الصغیر، ۲، ۱۶۸

(حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے) کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہا آئے اور تیاری کے حوالہ سے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم تیاری کی وجہ میں نہیں جانتی۔ کہنے لگے اللہ کی قسم ان دنوں رومیوں کے حملے کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیا معلوم رسول اللہ ﷺ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم میرے علم میں نہیں۔ راویہ حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (رسول اللہ ﷺ کے فرمان لبیک، نصرت نصرت) کے تین دن بعد آپ ﷺ نے نماز فجر لوگوں کو پڑھائی تو میں نے راجز کو یہ استغاثہ کہتے ہوئے سنا

حدیث اور امام زرقانی کی تشریح

اس مبارک روایت کو تقریباً تمام اہلِ سیرت نے ذکر کیا ہے، شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) اسے معروف کتاب المواھب اللدنیہ میں بھی لائے، اس کی تشریح امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) نے جن الفاظ میں کی وہ من وعن حاضر ہے، اسے غور توجہ سے پڑھیے تاکہ اگلی عبارت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جب وضو خانے میں آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا میں تمہاری مدد کو پہنچا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ کس کے ساتھ ہم کلام تھے کوئی آدمی آپ کے ساتھ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هٰذَا رَاجِزُ بَجِيْمٍ وَ زَأْيٍ قَائِلُ الرَّاجِزِ نَوْعٌ مِنَ الشِّعْرِ مَعْرُوْفٌ وَصَحَّفَ مَنْ قَالَ رَاجِلٌ (بَنِيْ كَعْبٍ) بَطْنٍ مِنْ خُزَاعَةَ (يَسْتَصْرِخُنِيْ) يَسْتَغِيْثُ بِيْ (وَ يَزْعَمُ اَنَّ قُرَيْشًا اَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِيْ بَكْرٍ) فَفِيْ اِخْبَارِهٖ بِهٖ قَبْلَ قُدُوْمِهٖ عَلَمٌ مِنْ اَعْلَامِ النُّبُوَّةِ بَاهِرٌ فَاَمَّا اَنَّهٗ اَعْلَمَ بِذٰلِكَ بِالْوَحْيِ وَ عَلِمَ مَا يُصَوِّرُ الرَّاجِزُ اَوْ يُكَلِّمُهٗ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَاَجَابَهٗ بِذٰلِكَ اَوْ اَنَّهٗ كَانَ يَرْتَجِزُ فِيْ سَفَرِهٖ وَاَسْمَعَهُ اللّٰهُ كَلَامَهٗ قَبْلَ قُدُوْمِهٖ بِثَلَاثٍ وَلَا بُعْدَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَدْ رَوٰى اَبُوْ نُعَيْمٍ مَرْفُوْعًا اِنِّيْ لَاَسْمَعُ اَطِيْطَ السَّمَاءِ وَمَا تَلَامُ اِنْ تَئِطَ (اَلْحَدِيْثَ) قَالَتْ مِيْمُوْنَةُ (ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) بَعْدَ قُدُوْمِهِ الْوَفْدِ (وَلَا تَعْلَمَ اَحَدًا) (قَالَتْ) مَيْمُوْنَةُ رَاوِيَةُ الْحَدِيْثِ (فَدَخَلَ عَلَيْهَا اَيْ عَلٰى عَائِشَةَ (اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ يَا بُنَيَّةَ مَا هٰذَا الْجِهَازُ) (فَقَالَتْ وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ فَقَالَ)اَبُوْبَكْرٍ(وَاللّٰهِ مَا هٰذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْاَصْفَرِ)

(رجز شعر کی ایک قسم کا نام ہے یہ لفظ راجز ہے نہ کہ راجل ایسا پڑھنے والے نے غلطی کی ہے بنو کعب، بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے اس نے مجھے پکارا یعنی اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور کہا قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی امداد کی ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اس وفد کی آمد سے پہلے ان کی خبر واطلاع دینا، علاماتِ نبوت میں سے بڑی واضح نشانی ہے راجز نے جو کچھ اپنے ذہن میں سوچا اور تصور کیا اسے وحی کے ذریعے آپ ﷺ نے جان لیا یا انہوں نے اپنے دوستوں سے گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول کر کے فرمایا تمہاری مدد کو پہنچا، اس نے یہ سارا کچھ دوران سفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد سے تین دن پہلے آپ ﷺ کو سنوا دیا اور اس میں کوئی بُعد و پریشانی نہیں کیونکہ امام ابونعیم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ میں آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتا ہوں اور ان کے چڑچڑانے پر کوئی ملامت نہیں

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں وفد آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نکلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کسی کو مت بتاؤ۔ راویہ حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور
تیاری کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتی)

چند فوائد

امام زرقانی کی گفتگو سے چند فوائد سامنے آتے ہیں

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے وضوخانہ میں فرمایا میں تمہاری امداد کے لیے حاضر

۲۔ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا جس کی وجہ سے حضرت میمونہ رضی اللہ
نے پوچھا آپ ﷺ کس سے گفتگو فرما رہے تھے کیا کوئی آپ ﷺ کے ساتھ

۳۔ آپ ﷺ نے آمدِ وفد سے تین دن پہلے یہ الفاظِ مبارکہ فرمائے، میں تمہاری
مدد کے لیے حاضر ہوں

۴۔ فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا، یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں نہ کہ سیدہ عائشہ رضی
اللہ عنہا کے۔ امام زرقانی کے الفاظ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ كَمَا هُوَ رِوَايَةُ
الطَّبْرَانِيِّ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا جیسے طبرانی کی روایت
اسے نہایت ہی آشکار کر رہے ہیں

۵۔ فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا، کی تشریح میں لکھا ہے بَعْدَ قَوْلِهِ ﷺ لِي هٰذَا رَاجِزُ
كَعْبٍ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا
تھا کہ یہ راجز بن کعب ہے) اس ارشاد عالی کے تین دن بعد ایسا ہوا کہ
آپ ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی تو پھر میں نے اشعار سنے
لہذا مخالفین کا یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ جب آپ ﷺ نے وضوخانے میں
فرمایا میں مدد کو پہنچا اس وقت حضرت راجز وہاں موجود تھے کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ
عنہا واضح کر رہی ہیں کہ اس وقت کوئی موجود نہ تھا البتہ تین دن کے بعد وفد آیا اور
حضرت راجز نے اشعار پڑھے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی (ت، ۹۴۲) امام طبرانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں

قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا ثُمَّ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
الصُّبْحَ بِالنَّاسِ سَمِعْتُ الرَّاجِزَ يُنْشِدُ (۱)

(حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تین دن بعد رسول اللہ ﷺ نے
صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی تو میں نے راجز کو اشعار پڑھتے سنا)

اس وفد کی آمد، ملاقات کی تفصیل میں طبرانی، بزار، ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے
حوالے سے نقل کرتے ہیں، وفد نے آکر سارا واقعہ بیان کیا

وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ أَظْهُرِ
النَّاسِ وَرَأْسُ خُزَاعَةَ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ فَلَمَّا فَرَغُوْا
مِنْ قِصَّتِهِمْ قَامَ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ فَقَالَ (۱) (ایضاً، ۲۰۲)

(رسول اللہ ﷺ مسجد میں صحابہ کے اندر تشریف فرما تھے اس وفد کے
سربراہ عمر بن سالم (راجز) تھے جب واقعہ سنانے سے فارغ ہوئے تو
عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر اشعار کہے)

اسی واقعہ اور فریاد رسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام یوسف بن اسماعیل
نبہانی (ت، ۱۳۵۰) نے لکھا:

وَ قَدْ وَرَدَ مِنْ مُعْجِزَاتِهِ ﷺ السِّمَاعُ عَنِ الْبَعِيْدِ
كَسِمَاعِهِ صَوْتَ مَنِ اسْتَغَاثَ بِهِ مِنْ بَنِيْ كِنَانَةَ
حِيْنَمَا حَارَبَتْهُمْ قُرَيْشٌ فِيْ مَكَّةَ فَسَمِعَهُ ﷺ فِي الْمَدِيْنَةِ
وَقَالَ لَهُ: "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" وَ تَجَهَّزَ لِنُصْرَتِهِمْ فَكَانَ
الْفَتْحُ الْأَعْظَمُ فَتْحَ مَكَّةَ الْمُشَرَّفَةَ (۲)

(دور سے سن لینا آپ ﷺ کے معجزات و کمالات سے ہے جیسے
آپ ﷺ نے اپنے حلیف بنو کنانہ کی مدد کی جب ان پر قریش حملہ آور
ہوئے انہوں نے مکہ سے فریاد رسی چاہی میں مدد کے لیے حاضر ہوں اور
یہی مکہ معظمہ کی فتح اعظم کا سبب بنا)

امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی نے اس روایت کے تحت جو گفتگو کی ہے اسے

(۱) سبل الہدیٰ، ۵، ۲۰۲
(۲) مواہب اللدنیہ: ۲۱۱

پڑھیے اور پلے باندھ لیجیے

اقول

اگر حضرت عمر بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے صرف دل میں خیال کیا تھا
آپ کو معلوم بھی ہو گیا اور آپ ﷺ نے لبیک اور نصرت فرمانا شروع کر دیا تو اس
مدعا اولویت کے طور پر ثابت ہو جائے گا کہ فریادی ابھی فریاد کرتا ہی نہیں صرف دل
خیال باندھتا ہے اور ارادہ کرتا ہے مگر اس رحمتِ مجسم ﷺ کو فوراً پتہ بھی چل جاتا ہے
اغاثہ و فریاد رسی پر آمادہ اور کمر بستہ بھی ہو جاتے ہیں یا صرف اپنے ساتھیوں سے
بارے میں صلاح و مشورہ کرتا ہے اور پروگرام بناتا ہے مگر ادھر سے اجابت پہلے ہی
جاتی ہے تو بالفعل فریاد اور استغاثہ پر بطریقِ اولیٰ فریاد رسی اور حاجت روائی
مشکل کشائی پائی جائے گی اور اگر تیسری صورت پائی گئی تو اس کی دلالت مدعی پر
ہے اور علامہ زرقانی نے حدیث مرفوع نقل کر کے دور سے سن سکنے کا استبعاد دور کر
جو ہستی پاک آسمان جتنی دوری سے سن سکتے ہیں وہ مکہ مکرمہ کی دوری یا تین دن کی
سے کیوں نہیں سن سکتے جب کہ صرف پہلے آسمان کی نچلی سطح کی مسافت زمین
سو سال کی راہ ہے اور اوپر والا کنارہ ہزار سالہ راہ ہے اور اگر ساتویں آسمان کی چیخ
تو سات ہزار سالہ مسافت سے سن لی تو اس قدر دور سے سن سکنے والے نورانی کانوں
لیے زمینی مسافتوں کی کیا حیثیت ہے جبکہ زمین کا محیط صرف چوبیس ہزار میل
مدینہ منورہ سے شرق اور غرب میں منتہائے ارض تک صرف بارہ بارہ ہزار میل کی
ہے بلکہ کرۂ ارض کے اُفق حقیقی کی مسافت مشرق اور مغرب میں صرف چھ چھ ہزا
ہے اگر اوپر والے حصہ کا اعتبار کریں اور اگر نچلہ حصہ ارضی بھی ساتھ شامل کریں تو
منورہ سے نیچے دوسری سمت تک کا قطر تقریباً ساڑھے سات ہزار میل بنے گا اور زمین
سبع سمندروں کے دو حصے بارہ بارہ ہزار میل تک کی مسافت کے ہوں گے

سوال

عمر بن سالم خزاعی صرف نبی کریم ﷺ کا حلیف تھا مسلمان اور صحابی

فریاد اس کی فریاد و زاری اور استغاثہ و استمداد سے اس کا جواز اور مشروع ہونا کیونکر
ثابت ہو سکتا ہے؟

الجواب

اولاً یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ عمر بن سالم صحابی تھے، رضی اللہ
چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں "عَمْرُو بْنُ سَالِمِ الْخُزَاعِي رحمه الله
تعالى أَحَدُ بَنِي كَعْبِ الصَّحَابِيُّ"
فرماتے ہیں: ابن کلبی، ابوعبیدہ اور طبرانی نے ذکر کیا ہے

إِنَّهُ أَحَدُ مَنْ عَمِلَ أَلْوِيَةَ خُزَاعَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ (۱)

(یعنی وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن خزاعہ
کے پرچم تیار کیے)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ ص ۵۳۷ ج ۲ پر ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا

قَدْ طَعَنَ السُّهَيْلِيُّ فِي صُحْبَةِ هٰذَا الرَّاجِزِ وَقَالَ قَوْلُهُ،
ثُمَّ أَسْلَمْنَا أَرَادَ أَسْلَمُوا مِنْ أَسْلَمَ لَا مِنَ الْإِسْلَامِ
لِأَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا أَسْلَمُوا بَعْدَ وَرَدَ بِقَوْلِهِ وَقَتَلُونَا
رُكَّعًا وَسُجَّدًا وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ اسْحٰقَ هُمْ قَتَلُونَا
بِالصَّعِيدِ هَجَّدًا نَتْلُوا الْقُرْآنَ رُكَّعًا وَسُجَّدًا وَ تَأَوَّلَهُ
بَعْضُهُمْ بِأَنَّ مُرَادَهُ بِقَوْلِهِ رُكَّعًا وَسُجَّدًا أَنَّهُمْ حُلَفَاءُ
الَّذِينَ يَرْكَعُونَ وَيَسْجُدُونَ وَلَا يَخْفٰى بُعْدُهُ (۲)

(یعنی سہیلی نے اس رجز خوان اور فریادی اور مستغیث کے صحابی ہونے پر
طعن و تشنیع کی ہے اور کہا کہ اس کے قول أَسْلَمْنَا سے مراد اسلام
لانا نہیں بلکہ مصالحت و مسالمت والا معنیٰ مراد ہے کیونکہ وہ ابھی اسلام
نہیں لائے تھے مگر یہ قول مردود ہے عمرو بن سالم کے اس قول سے کہ

(۱) الزرقانی، ۲۔۲۹۰

انہوں نے ہمیں قتل کیا حالتِ رکوع اور سجود میں اور ابنِ اسحٰق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ہمیں چٹیل میدان میں قتل کیا در آنحالیکہ ہم تہجد پڑھتے تھے قرآن تلاوت کر رہے تھے اور رکوع سجود کر رہے تھے اور بعض نے اس قول کی یہ تاویل کی ہے کہ رکعاً وسجداً سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کے حلیف ہیں جو رکوع وسجود کرتے ہیں اور اس تاویل کا بعید از صواب ہونا کسی پر مخفی نہیں ہے)

ثانیاً

جو رحیم وکریم اور لجپال اور مجسمۂ وفا غیر مسلم حلیفوں کے استغاثہ اور فریاد وزاری پر ان کی امداد واعانت فرماویں اور ان کے پہنچنے سے پہلے اور حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے سے تین دن قبل صرف اپنے گھروں میں خیال کرنے پر یا صلاح ومشورہ کرنے پر لبیک لبیک کہہ رہے ہوں اور امداد ونصرت کا سامان کر رہے ہوں تو وہ مخلص غلاموں کو کیونکر نظر انداز فرماویں گے۔

فریاد جو اُمتی کرے حال زار کی
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

ثالثاً

فریادی کون ہے کون نہیں ہے غرض اس سے نہیں بلکہ غرض اس سے ہے کہ فریاد رس بھی کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ فریاد سنتے ہیں یا نہیں؟ تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ فریادیوں کی فریاد سنتے ہیں اور امداد واعانت فرماتے ہیں

اب ان لوگوں کی بدبختی دیکھنی چاہیے کہ اُمتی ہو کر اپنے نبی سے مدد مانگنے کو تیار نہیں جبکہ بقول معترض کے کافر مدد طلب کر بھی رہے ہیں اور بوجہ حلیف ہونے کے مدعا حاصل بھی کر رہے ہیں تو کم از کم اُمتیوں کو اپنے نبی کے مقام سے اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے تھا کہ وہ کافروں سے بھی پیچھے رہ جائیں اور ان کے برابر بھی مقامِ نبوت ورسالت کی معرفت اور پہچان نہ رکھیں اور نہ اس کریم ورحیم نبی کے رحم وکرم سے نا اُمید اور مایوس

ہونا چاہیے تھا جن کی امداد واعانت سے کافر بھی محض حلیف ہونے کی بنا پر نا اُمید اور مایوس نہیں ہوئے بلکہ اُمتیوں کو یقین ہونا چاہیے تھا کہ جو رحمتِ مجسم ﷺ حلیف ہونے کا اس قدر پاس کرتے ہیں وہ توحید ورسالت کے اقرار اور قرآن وسنت پر عمل کے عہد وپیمان کو اور غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے والوں کو کیونکر محروم التفات فرماویں گے کیونکہ وہ تو اُن کے لیے تو وہ خصوصی رحمت ورأفت فرمانے والے ہیں۔

قولہ تعالیٰ:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱)

(آپ اہل ایمان پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں) (۲)

---

(۱) سورۃ التوبہ آیت: ۱۲۸

(۲) تفسیر توحید ورسالت، ۴۵۰ تا ۴۵۵

ساتواں باب:

دُور سے خود سُننے پر احادیث

جیسے احادیث مبارکہ میں یہ آتا ہے کہ دور سے پڑھا جانے والا درود وسلام فرشتے بارگاہ نبوی میں پہنچاتے ہیں اسی طرح احادیث میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کائنات میں کوئی بھی سلام عرض کرے تو میں اسے سن کر اس کا جواب عنایت کرتا ہوں

۱۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۱)

(جس نے بھی مجھ پر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب عنایت کرتا ہوں)

اس ارشاد نبوی میں عموم ہے کوئی قید نہیں کہ وہ روضہ اقدس کے پاس ہو بلکہ سلام عرض کرنے والا کہیں بھی ہو آپ ﷺ اس کا سلام سن کر جواب عنایت فرماتے ہیں۔

حدیث کا صحیح وحسن ہونا

اس حدیث مبارکہ کو ائمہ محدثین نے حسن وصحیح قرار دیا ہے، بعض نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے جبکہ بعض نے اس کو حسن کہا ہے، چند تصریحات ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ شیخ ابن قیم (ت، ۷۵۱) نے روایت نقل کر کے لکھا

وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْمَقْبُرِيِّ وَقَدْ صَحَّ اِسْنَادَ هٰذَا الْحَدِيْثِ (۲)

(۱) سنن ابوداؤد

(۲) جلاء الافہام، ۳۳

(اسے امام ابوداؤد نے محمد بن عوف از عبداللہ بن یزید مقبری سے نقل کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) کے الفاظ ہیں

وَقَدْ رَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ (۱)

(اسے امام ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

امام نووی (ت، ۶۷۶) نے اسے ان الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے

رَوَيْنَا فِيْهِ اَيْضًا بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ (۲)

(اس بارے میں سند صحیح کے ساتھ روایت موجود ہے)

حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ اِلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَسَنَدُهَا حَسَنٌ (۳)

(جو بھی مجھ پر درود پڑھے اللہ تعالیٰ مجھ پر روح لوٹاتا ہے حتی کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں اور اس کی سند حسن ہے)

امام ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) اس کے راویوں کا تعارف اور ان کی ثقاہت بیان کر کے لکھتے ہیں

وَالْحَدِيْثُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَاَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَسَنَدُهَا حَسَنٌ (۴)

(یہ حدیث امام ابوداؤد، امام احمد اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی سند حسن ہے)

امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) اس روایت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں، اسے امام احمد نے مسند میں نقل کیا ہے اور اسے

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْمَقْبُرِيِّ وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ

(۱) زرقانی علی المواہب، ۱۲، ۲۰۲

(۲) الاذکار، ۱۴۴

(۳) الدر المنضود، ۱۲۱

(۴) شرح شفاء، ۲، ۱۴۲

وَعَبَّاسُ التَّرْقُفِيُّ وَمِنْ طَرِيْقِهِ اَبُو الْيَمَنِ ابْنُ عَسَاكِرَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ بَلْ صَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ فِي الْاَذْكَارِ وَغَيْرِهِ وَفِيْهِ نَظْرٌ (۱)

(اسے امام ابو داؤد نے محمد بن عوف از عبداللہ بن یزید المقبری سے روایت کیا اور اسے امام طبرانی نے بیہقی اور عباس ترقفی نے نقل کیا اسی طریق سے امام ابو الیمن بن عساکر نے سندِ حسن سے بلکہ اسے امام نووی نے اذکار وغیرہ میں صحیح کہا لیکن اس میں نظر ہے یعنی یہ حسن ہے)

اعتراض کا جواب

بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ ابنِ تیمیہ نے کہا کہ حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیط کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی تو ان سے سماع محل نظر ہے، شیخ ابن قیم کہتے ہیں کہ

سَأَلْتُ شَيْخَنَا عَنْ سِمَاعِ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِاللهِ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ مَا كَانَ اَدْرَكَهُ وَهُوَ ضَعِيْفٌ فَفِيْ سِمَاعِهِ عِنْدِيْ نَظْرٌ (۲)

(میں نے اپنے استاذ ابن تیمیہ سے یزید بن عبداللہ کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور یہ ضعیف ہیں تو ان کے سماع میں نظر ہے)

اس کے جواب میں اہلِ علم نے خوب لکھا اور واضح کیا کہ یہ ابن تیمیہ کی زیادتی اور اس کے مطالعہ کی کمی ہے ورنہ ان کے حالات میں موجود ہے کہ یزید بن عبداللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں

شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) ابن قیم کی یہی بات نقل کر کے لکھتے ہیں

ہم نے تو تہذیب التہذیب اور دیگر کتب میں صراحۃً لکھا دیکھا ہے کہ ان کے اساتذہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسماء گرامی مذکور ہیں

(۱) مسالک الحنفاء، ۲۰۴

(۲) جلاء الافہام، ۳۳

[illegible] دیکھیے

اِنَّ عَبْدَاللهِ رَوٰى عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَنْ عُمَرَ وَغَيْرِهِمْ (۱)

(عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر اور دیگر صحابہ سے روایت لی ہے)

[illegible] قاری (ت، ۱۰۱۴) نے لکھا، یہ امام مالک اور لیث کے استاذ ہیں

وَثَّقَهُ النَّسَائِيُّ وَاَخْرَجَ لَهُ الْاَئِمَّةُ السِّتَّةُ (۲)

(انہیں امام نسائی نے ثقہ قرار دیا اور ائمہ ستہ (چھ) نے ان سے روایت نقل کی ہے)

امام ابن عبدالبر مالکی (ت، ۴۶۳) ان کے بارے میں فرماتے ہیں

وَيَزِيْدُ قَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَالِكٌ فِي الْمَوَاضِعِ مِنَ الْمُوَطَّا وَثِقَةٌ مِنَ الثِّقَاتِ (۳)

(یزید سے امام مالک نے موطا کے متعدد مقامات پر احتجاج کیا اور یہ ثقہ ہیں)

امام ابن سعد (ت ۲۳۰) ان کے بارے میں لکھتے ہیں

كَانَ ثِقَةً وَكَثِيْرَ الْحَدِيْثِ (۴)

(یہ ثقہ اور کثیر احادیث کے راوی ہیں)

امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے

اَللَّيْثِيُّ التَّابِعِيُّ اَلثِّقَةُ تُوُفِّيَ سَنَةَ اِثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ وَاَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ (۵)

(یہ لیثی، تابعی اور ثقہ ہیں ان کا وصال ۱۲۲ھ میں ہوا اور ان سے ائمہ ستہ (چھ) نے حدیث روایت کی ہیں)

کوئی کہیں سے بھی سلام عرض کرے رسول اللہ ﷺ خود سنتے ہیں

اس صحیح روایت کے تحت تمام شارحین نے یہ تصریح و اعلان کیا ہے کہ کائنات میں کہیں سے بھی کوئی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرے آپ ﷺ

(۱) تہذیب التہذیب، ۴، ۴۲۰ (۲) شرح الشفاء، ۲، ۱۴۲

(۳) تہذیب ۴، ۴۲۰ (۴) مسالک الحنفاء، ۲۰۵

(۵) نسیم الریاض، ۵، ۷۸

اسے خود سنتے ہیں اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں، اگر کسی نے اسے مزارِ عالی کے قرب کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوشش کی تو اس کا واضح الفاظ میں رد کیا اور لکھا کہ اسے عموم پر ہی رکھنا لازم ہے اس کے مخصوص ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور اگر کوئی ہے تو اسے سامنے لایا جائے۔

حدیث میں عموم

پہلے اس پر ائمۂ اُمت کی تصریحات ملاحظہ کیجیے

کہ اس حدیث میں یہ عموم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام کرنے والا کہیں بھی ہو آپ ﷺ اُس کا سلام خود سن کر جواب عنایت فرماتے ہیں۔

۱۔ امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے عموم کو ان الفاظ میں آشکار کرتے ہیں

وَقَدْ رَوٰی اَبُوْ دَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ (مَا مِنْ مُّسَلِّمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ) فِیْ اَیِّ مَحَلٍّ کَانَ (۱)

(امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانِ نبوی روایت کیا کہ (جو بھی مجھ پر سلام کہے) یعنی خواہ وہ کسی بھی مقام پر ہو)

ان کے الفاظ ''فِیْ اَیِّ مَحَلٍّ کَانَ'' (سلام عرض کرنے والا کائنات میں کہیں بھی ہو) نہایت ہی واضح، اہم اور قابل توجہ وستائش ہیں۔

۲۔ حضرت ملا علی قاری حنفی (ت، ۱۰۱۴) فرماتے ہیں یہ حدیث ہر جگہ اور ہر زمانہ کو شامل ہے کیونکہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کا تعلق عالم پست و بالا تمام سے یکساں ہے۔ ان کے الفاظ پڑھیے۔

وَ ظَاهِرُهُ الْاِطْلَاقُ الشَّامِلُ لِکُلِّ زَمَانٍ وَ مَکَانٍ وَ مَنْ خَصَّ الرَّدَّ بِوَقْتِ الزِّیَارَةِ فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ وَالْمَعْنٰی اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ یَرُدُّ رُوْحَهُ الشَّرِیْفَ عَنْ اِسْتِغْرَاقِهِ الْمُنِیْفِ لِیَرُدَّ عَلٰی مُسَلِّمِهٖ جَبْرًا لِّلْخَاطِرِ

(۱) زرقانی علی المواهب، ۱۲، ۲۰۲

الضَّعِیْفِ فَاِنَّ الْمُعْتَمَدَ الْمُعْتَقَدَ اَنَّهٗ ﷺ حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ کَسَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ فِیْ قُبُوْرِهِمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَاِنَّ لِاَرْوَاحِهِمْ تَعَلُّقًا بِالْعَالَمِ الْعُلْوِیْ وَالسُّفْلِیْ کَمَا کَانُوْا فِی الْحَالِ الدُّنْیَوِیْ فَهُمْ بِحَسَبِ الْقَلْبِ عَرْشِیُّوْنَ وَبِاِعْتِبَارِ الْقَالِبِ فَرْشِیُّوْنَ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ بِاَحْوَالِ اَرْبَابِ الْکَمَالِ هٰذَا (۱)

(حدیث کے ظاہر میں اطلاق ہے جو تمام اوقات اور مقامات کو شامل ہے جنہوں نے جوابِ سلام کو زیارت کے ساتھ مخصوص کیا ہے ان پر دلیل لانا ضروری ہے معنی حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روحِ مبارک کو مبارک استغراق سے متوجہ کرتا ہے تا کہ آپ ﷺ محب کے دل کی تسکین کے لیے اس کے سلام کا جواب عنایت فرمائیں اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں دیگر انبیاء کی طرح اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کی مقدس ارواح کا عالمِ بالا اور عالمِ پست سے تعلق ہے جیسے حالتِ دنیاوی میں تھا وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب وجسم کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں ان اصحابِ کمال کے حالات سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہیں)

سلام کرنے والے کے احوال سے آگاہی

۱۔ اس کے ساتھ ہی امام انطا کی سے رَدِّ روح کا معنی ان الفاظ میں لکھا

قَالَ الْاِنْطَاکِیُّ یُمْکِنُ اَنْ یُّقَالَ رَدُّ الرُّوْحِ کِنَایَةٌ عَنْ اِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِیَّاهُ فَاِنَّ فُلَانًا صَلّٰی عَلَیْکَ اَوْ عَنْ عِلْمِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِاَحْوَالِ الْمُسَلِّمِ مِنْ بَیْنِ الْاَنَامِ (۲)

(امام انطا کی کہتے ہیں کہ روح لوٹانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس سے مطلع فرماتا ہے کہ فلاں آپ پر سلام کہہ رہا ہے یا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے درمیان، آپ ﷺ پر سلام کہنے والے

(۱) شرح الشفاء، ۲، ۱۴۲ (۲) شرح الشفاء، ۲، ۱۴۲

کے احوال سے آگاہ ہوتے ہیں۔)

۲۔ لفظ روح کا یہی مفہوم شارحِ بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) کے [illegible] میں پڑھیے۔

اَلرُّوْحُ كِنَايَةٌ عَنِ السَّمَاعِ وَ يَكُوْنُ الْمُرَادُ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَ لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ يَسْمَعُ الْمُسَلِّمَ عَلَيْهِ وَاِنْ بَعُدَ قُطْرُهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ اِحْتِيَاجٍ اِلٰى وَاسِطَةٍ يُبَلِّغُ وَلَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعَهُ الْمُعْتَادَ وَقَدْ كَانَ لَهُ ﷺ فِي الدُّنْيَا حَالَةٌ يَسْمَعُ فِيْهَا سَمْعًا خَارِقًا لِّلْعَادَةِ بِحَيْثُ يَسْمَعُ اَطِيْطَ السَّمَاءِ كَمَا ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ وَهٰذَا قَدْ يَنْفَكُّ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ وَيَعُوْدُ لَا مَانِعَ مِنْهُ وَحَالَتُهُ فِي الْبَرْزَخِ وَفِي الدُّنْيَا سَوَاءٌ (۱)

(روح سے مراد آپ ﷺ کا سلام سننا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر خلاف عادت سننا لوٹاتا ہے کہ آپ ﷺ سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں خواہ وہ کتنی دور ہوا اور پہنچانے والے واسطہ کے بغیر سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور عادی سننا مراد نہیں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھی ایسی شان حاصل تھی کہ آپ ﷺ خلاف عادت دور سے سنتے تھے حتی کہ آسمان کی چڑچڑاہٹ کی آواز سن لیتے جیسے کہ احادیث سے ثابت ہے اور بعض اوقات یہ جدا ہوتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں اور آپ ﷺ کی حالت برزخی اور حالت دنیا یکساں ہیں)

۳۔ توجہ خاص مراد ہے

موصوف بزرگ المواهب اللدنية میں لکھتے ہیں کچھ "عقیدۃ بیمار، کم فہم

(۱) مسالک الحنفاء الی مشارع الصلاۃ علی المصطفی، ۲۰۸

[illegible] سوال اٹھاتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کی حیات دائمی ہے تو پھر ردِّ روح کا کیا معنی [illegible] اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اِنَّ ذٰلِكَ عِبَارَةٌ عَنْ اِقْبَالٍ خَاصٍّ وَاِلْتِفَاتٍ رُوْحَانِيٍّ يَحْصُلُ مِنَ الْحَضْرَةِ النَّبَوِيَّةِ اِلٰى عَالَمِ الدُّنْيَا وَقَوَالِبِ الْاَجْسَادِ التُّرَابِيَةِ وَتَنَزُّلٌ اِلٰى دَائِرَةِ الْبَشَرِيَّةِ حَتّٰى يَحْصُلَ عِنْدَ ذٰلِكَ رَدُّ السَّلَامِ وَهٰذَا الْاِقْبَالُ يَكُوْنُ عَامًّا شَامِلًا حَتّٰى لَوْ كَانَ الْمُسَلِّمُوْنَ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفِ اَلْفِ اَلْفِ اَوْسَعَهُمْ ذٰلِكَ الْاِقْبَالُ النَّبَوِيُّ وَالْاِلْتِفَاتُ الرُّوْحَانِيُّ وَلَقَدْ رَاَيْتُ مِنْ ذٰلِكَ مَا لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اُخْبِرَ عَنْهُ وَلَقَدْ اَحْسَنَ مَنْ سُئِلَ كَيْفَ يَرُدُّ النَّبِيُّ عَلٰى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ مِنْ مَّشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا فِيْ اٰنٍ وَاحِدٍ فَاَنْشَدَ قَوْلَ اَبِي الطَّيِّبِ كَالشَّمْسِ فِيْ وَسْطِ السَّمَاءِ وَ نُوْرُهَا يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا (۱)

(اس سے وہ خصوصی توجہ اور التفات روحانی مراد ہیں جو آپ ﷺ عالم دنیا اجسام وقوالب اور دائرۂ بشری کی طرف فرماتے ہیں تاکہ سلام کا جواب دیا جائے اور یہ توجہ عام اور تمام کو شامل ہے حتی کہ اگر بیک وقت ایک لمحہ میں کروڑہا لوگ درود پڑھیں تو آپ ﷺ کی یہ روحانی توجہ ان سے وسیع اور احاطہ کرنے والی ہوگی مجھے یہ منظر دیکھنا نصیب ہوا مگر اسے بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس عالم نے کیا ہی خوبصورت جواب دیا جس سے پوچھا گیا کہ آنِ واحد میں مشرق ومغرب کے سلام کہنے والوں کا جواب رسول ﷺ کیسے دیتے ہیں تو اس نے ابوطیب متنبی کا یہ شعر پڑھا کہ وہ سورج کی طرح آسمان کے درمیان چمک رہا ہے اور وہ مشارق ومغارب کو روشن کر رہا ہے)

(۱) زرقانی علی المواهب ۱۲، ۲۰۶

۴۔ امام تقی الدین سبکی (ت ۷۵۶) نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے کہ
مقصود آپ ﷺ کی روحانی توجہ کو سلام کہنے والے کی طرف مبذول کرنا
تاکہ آپ ﷺ، سلام کا ادراک وعلم پا کر اس کا جواب دے سکیں۔
ان کے الفاظ ہیں

اَنْ یَّکُوْنَ رُوْحُهُ الشَّرِیْفَةُ مُشْتَغِلَةً بِشُهُوْدِ الْحَضْرَةِ الْاِلٰهِیَةِ وَالْمَلَاِ الْاَعْلٰی مِنْ هٰذَا الْعَالَمِ فَاِذَا سَلَّمَ عَلَیْهِ اَقْبَلَتْ رُوْحُهُ الشَّرِیْفَةُ عَلٰی هٰذَا الْعَالَمِ فَیُدْرِكُ سَلَامَ مَنْ یُّسَلِّمُ عَلَیْهِ وَیَرُدُّ عَلَیْهِ (۱)

(آپ ﷺ کی روح مبارکہ بارگاہ الٰہی اور ملاء اعلیٰ کی طرف اس کائنات سے مستغرق ومشغول ہوتی ہے جب کوئی آپ ﷺ کو سلام عرض کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ کی روح طیبہ اس جہان کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو آپ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک وعلم پا کر اس کے سلام کا جواب عنایت کرتے ہیں)

۵۔ آخر میں ابن تیمیہ کے شاگرد شیخ محمد بن عبدالہادی (ت: ۷۴۴) نے اس حدیث کے عموم کے بارے میں جو لکھا وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ لکھتے ہیں۔

الفاظ حدیث مبارکہ کا تقاضا عموم ہی ہے یہ قریب وبعید دونوں کو شامل ہیں الفاظ حدیث "مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ" کا مفہوم یوں واضح کیا کہ ممکن ہے اس کا پاس سے سلام عرض کرنا ہو جیسے ایک جماعت ائمہ نے سمجھا۔

وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ مَعْنَاهُ عَلَی الْعُمُوْمِ وَاَنَّهُ لَا فَرْقَ فِیْ ذٰلِكَ بَیْنَ الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ وَ هٰذَا هُوَ ظَاهِرُ الْحَدِیْثِ (۲)

(اور ممکن ہے اس کے معنی میں عموم ہو اور اس حوالہ سے قریب وبعید میں کوئی فرق نہ ہوگا اور ظاہر حدیث اس مفہوم کا تقاضا کرتا ہے)

(۱) شفاء السقام، ۵۱
(۲) الصارم المنکی۔ ۱۹۷

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی تحقیق

علیم محقق علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (ت ۱۳۰۴) ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تحت بعید اور دور سے سلام عرض کرنے والے تو آتے ہیں مگر قریب والے نہیں آتے۔

اَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ ظَاهِرَ حَدِیْثِ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ رُوْحِیْ عَامٌّ یَشْتَمِلُ الْمُسَلِّمَ عِنْدَ الْقَبْرِ وَغَیْرِهٖ کَمَا اَقَرَّ بِهٖ فِیْ مَوْضِعٍ آخَرَ عَلٰی مَا مَرَّ نَقْلُهٗ

(کیا مخالف کے علم میں نہیں "مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ رُوْحِیْ" میں عموم ہے اور یہ ہر سلام عرض کرنے والے کو شامل ہے خواہ وہ قریب ہو یا بعید جیسے خود مخالف نے اقرار کیا اور اُوپر گزر چکا ہے)

اہل علم نے اس حدیث سے زیارت قبر انور پر استدلال ضرور کیا

اَمَّا حَمْلُهٗ عَلَی الْمُسَلِّمِ مِنْ بَعِیْدٍ وَ عَدَمِ دُخُوْلِ الْمُسَلِّمِ الزَّائِرِ فِیْهِ هٰذَا لَمْ یَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ فِیْمَا عَلِمْنَاهُ فَقَوْلُهٗ اَمَّا لِعَدَمِ دُخُوْلِهٖ مَرْدُوْدٌ عَلَیْهِ وَهَلْ یَقُوْلُ عَاقِلٌ بِاَنَّ الْحَدِیْثَ مَعَ اِطْلَاقِهٖ لَا یَدْخُلُ فِیْهِ شَیْءٌ مِنْ اَفْرَادِ مَدْلُوْلِهٖ مِنْ غَیْرِ دَلِیْلٍ عَلٰی خُرُوْجِهٖ (۱)

(لیکن اسے صرف دور والے پر محمول کرنا اور قریب قبر انور آ کر سلام و زیارت کرنے والے کو اس کے تحت داخل نہ کرنے کا کوئی بھی نہیں کہتا لہٰذا مخالف کا کہنا کہ زائر قریبی اس میں داخل ہی نہیں مردود ہے کیا کوئی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث مطلق ہے اور اس کے کچھ افراد اس کے مفہوم میں داخل نہیں جبکہ اس کے خروج پر کوئی دلیل بھی نہیں)

اس سے یہ مغالطہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ زیارت روضہ نبوی کا کوئی مقام نہیں کیونکہ اس حدیث کے تحت دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں البتہ زیارت پانے والے کو مزید ثمرات وبرکات نصیب ہوتے ہیں۔

(۱) السعی المشکور: ۴۵۱

فصل:

مخالفین کا بھی سُننے پر دلیل بنانا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُمت کی اکثریت کا مختار موقف یہی ہے کہ آپ ﷺ ہر سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ دور سے درود سنتے نہیں ہاں ہر ایک کا جواب عنایت کرتے ہیں انہوں نے بھی آپ ﷺ کے قریب سے سننے پر جو دلائل دیئے ہیں ان میں یہ حدیث مذکور شامل ہے۔

سوال و جواب پڑھیے:

پہلے ڈاکٹر خالد محمود کا سوال و جواب پڑھیے پھر اپنی بات کرتے ہیں
آپ ﷺ کے قریب سے سننے پر حدیث لائے اور پھر لکھا

سوال:

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی قوتِ سامعہ اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب:

ہاں جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلہ سے ان مُردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟ (۱)

(۱) مقام حیات، ۵۳۲

ہماری گزارش:

جیسے منوں مٹی کے نیچے سے مردوں کا عذاب دیکھنا اور سننا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح سات آسمانوں کے اُوپر جنت و دوزخ کا دیکھنا و سننا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے اُوپر گزرا بلکہ جب آپ ﷺ کے دور سے سننے کی بات آئی تو اہل علم نے یہی احادیث پیش کیں کہ آپ ﷺ آسمانوں کے اُوپر تک دیکھ سکتے اور سن سکتے ہیں تو دور سے درود سننے میں کوئی بُعد و مضائقہ نہیں۔

سوال:

کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ کہے گئے سلام کو سنتے ہیں۔

جواب:

ہاں حضور ﷺ نے فرمایا

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں)

رَدَّ اللهُ رُوْحِيْ کی بحث پہلے آچکی ہے اس حدیث میں حضور ﷺ کا قریب سے صلاۃ و سلام سننا خود ثابت ہے (۱)

اہل حدیث فاضل کا استدلال

رسول اللہ ﷺ کے درود شریف سننے پر اہل حدیث شیخ عبدالجبار غزنوی کا استدلال بھی اس حدیث سے ہے

بے شک حقیقتاً رسول اللہ ﷺ اس جہان میں حاضر اور زندہ نہیں مگر حکماً ہیں (کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں) ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ فَاَرُدَّ

(۱) مقام حیات، ۵۳۳

عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب میں سلام کہتا ہوں)

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں خطاب غیر محل نہ ہوا (۱)

درود وسلام سننے پر امام احمد کا استدلال

امام احمد بن حنبل (ت، ۲۴۱ھ) نے رسول اللہ ﷺ کے درود وسلام اسی حدیث سے استدلال کیا، اس کی تفصیل ڈاکٹر خالد محمود کی زبانی سنیے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (ت، ۲۴۱ھ) امام بخاری اور امام مسلم کے القدر استاذ اور خود امام مجتہد ہیں، آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ عرض کرے تو کیا آپ ﷺ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں

وَالْإِمَامُ أَحْمَدُ أَعْلَمُ النَّاسِ فِي زَمَانِهِ لَمَّا سُئِلَ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِمَا يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيثِ إِلَّا حَدِيثَ مَا مِنْ رَجُلٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ السَّلَامَ (۲)

(امام احمد اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں) (۳)

(۱) اثبات الالہام والبیعۃ، ۲۳۶ (۲) فتاوی ابن تیمیہ، ۲۷: ۲۲۶

(۳) مقام حیات، ۴۵۹

دیوبندی علماء فیصل آباد کا فتویٰ

دیوبندی علماء فیصل آباد، درود وسلام سننے کے بارے میں ایک سوال ہوا جس کے جواب میں انہوں نے لکھا

جو کوئی حضور ﷺ کو آپ کی قبر مبارک کے پاس سلام عرض کرتا ہے ﷺ خود سنتے ہیں اور خود اس کا جواب دیتے ہیں (صحیح حدیث ہے "مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ")

۲۰۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ (۱۰۸۲۷) اکابر اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے (۱)

ہماری گزارشات

جب ہر کوئی اس روایت کو درود وسلام سننے اور اس کا جواب دینے پر محمول کر رہا ہے تو اسے صرف جواب تک ہی محدود کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اس حدیث سے مخالفین نے رسول اللہ ﷺ کا سلام سننا خود مان لیا ہے

جب اہل سنت اس سے سننے پر استدلال کرتے ہیں تو وہ کیوں انکار کرتے ہیں؟

حالانکہ اُمت کا موقف سامنے آچکا ہے کہ ردروح سے مراد آپ ﷺ کا سلام سننا

اس حدیث میں قبر کے پاس درود شریف پڑھنے کے الفاظ کہاں ہیں؟

کیا اپنی طرف سے اضافہ سراسر ظلم وزیادتی نہیں؟

(۱) رسائل توسل، ۱۵۲ جمع وترتیب محمد اقبال قریشی

فصل:

قبر انور کے ساتھ خاص کرنے والوں کا رد

اس فرمان نبوی کو فقط زائرین بارگاہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا، ایسی بات کہنے والوں کی اہل علم نے خوب تردید کی ہے۔

امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) اسی روایت کے تحت خاص کرنے کے خیال کی تردید کرتے ہیں:

وَ مَا قِيْلَ اِنَّ رَدَّهٗ مُخْتَصٌّ بِسَلَامِ زَائِرِهٖ مَرْدُوْدٌ لِعُمُوْمِ الْحَدِيْثِ فَدَعْوَى التَّخْصِيْصِ تَحْتَاجُ لِدَلِيْلٍ (۱)

(جو کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا جواب عنایت کرنا زائرین کے ساتھ مخصوص ہے مردود ہے کیونکہ حدیث میں عموم ہے لہٰذا دعویٰ تخصیص پر دلیل کی ضرورت ہے)

امتیاز نہ رہا

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی تردید وہ صحیح روایت بھی کرتی ہے جس میں ہے کہ ہر مومن اپنی قبر کی زیارت کرنے والے کا سلام سن کر جواب دیتا ہے۔

فَلَوِ اخْتُصَّ رَدُّهٗ بِزَائِرِهٖ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ خُصُوْصِيَّةٌ بِهٖ لِمَا عَلِمْتَ اَنَّ غَيْرَهٗ يُشَارِكُهٗ فِيْ ذٰلِكَ

(اگر آپ ﷺ کے سلام کا جواب دینا زائرین کے ساتھ ہی مخصوص ہو تو پھر یہ آپ کا امتیاز نہیں ہوگا کیونکہ تم نے جان لیا کہ اس میں آپ کے

(۱) نسیم الریاض، ۵۔۷۹

ساتھ دیگر بھی شریک ہیں)

اس کے بعد امام ابوالیمن بن عساکر (ت، ۶۸۶) کا استدلال ذکر کیا ہے۔

وَاِذَا جَازَ رَدُّهٗ ﷺ عَلٰى مَنْ يُّصَلِّ عَلَيْهِ مِنَ الزَّائِرِيْنَ بِقَبْرِهٖ جَازَ رَدُّهٗ عَلٰى مَنْ يُّسَلِّمُ عَلَيْهِ مِنْ جَمِيْعِ الْاٰفَاقِ مِنْ اُمَّتِهٖ عَلٰى بُعْدِ مُسَافَةٍ (۱)

(جب آپ ﷺ کا مزار اقدس کے زائرین کے سلام کا جواب دینا جائز ہے تو بُعد مسافت کے باوجود تمام کائنات کے سلام کا جواب دینا بھی جائز ہوگا)

قریب سے سننے میں امتیاز کیا ہے؟

اگر مخالفین کی یہ بات مان لی جائے کہ آپ ﷺ مزار اقدس کے قریب پڑھے جانے والے درود وسلام کو ہی خود سنتے ہیں لیکن دور سے پڑھے جانے والے درود کو خود نہیں سن سکتے تو اب یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ یہ مقام تو ہر مومن کو حاصل ہے کہ وہ اپنی قبر پر آنے والے زائر کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

مَا مِنْ اَحَدِكُمْ يَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(تم میں سے جب کوئی اپنے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور سلام کہے تو وہ اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے)

اب اگر رسالتمآب ﷺ کا مقام بھی یہی ہو تو پھر آپ ﷺ کا دیگر سے امتیاز کیا ہوگا؟ یہی وجہ ہے جب بعض نے کہا کہ ''رَدَّ اللّٰهُ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ'' سے فقط زائرین کے سلام کا جواب مراد ہے تو اس کا علمی رد کیا

عند قبری کے الفاظ ثابت نہیں

جو اس روایت کو زائرین کے ساتھ مخصوص مانتے اور اسے عام تسلیم نہیں کرتے

(۱) نسیم الریاض، ۵۔۸۰